احمدی نوجوانوں سے خطاب

حصولِ مقصد کیلئے جماعت اپنی ذہنیت میں تبدیلی کرلے

(فرمودہ ۱۷؍دسمبر ۱۹۳۷ء)

تشہّد ،تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:-

میں نے پچھلے خطبہ میں جلسہ سالانہ کے ذکر پر یہ کہا تھا کہ اسلامی تعلیم انسان کی نیکی اور پاکیزگی کے متعلق یہی ہے اور اِسی کو تصوف اور رُوحانیت کہتے ہیں کہ انسان ہر قسم کی نیکیوں کو جمع کرنے کی کوشش کرے۔ جو شخص کسی ایک شِق کو لے لیتا ہے اور اسی پر زور دیتا چلا جاتا ہے اس کے متعلق نہیں کہا جاسکتا کہ وہ دین کی خاطر اور نیکی کیلئے کرتا ہے یا محض عادت کے ماتحت۔

بنی نوع انسان کے اخلاق کو دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اخلاق اور نیکیوں کے لحاظ سے بھی انسانوں کی فطرتیں خاص خاص میلان رکھتی ہیں۔ قطع نظر اس سے کہ وہ بات ان کے مذہب کی تعلیم ہو یا وہ اس فلسفہ کا حصہ ہو جس کی وہ اتباع کر رہے ہوں۔ انسانی طبائع مختلف میلانات رکھتی ہیں اور یہی چیز دراصل تہذیب اور تمدن کی جڑ ہوتی ہے۔ اگر طبائع میں اختلاف نہ ہو اور مختلف میلان نہ ہوں تو دنیا میں تنوع اور قسم قسم کی چیزیں کبھی نظر نہ آئیں۔ سارے لوگ ایک ہی پیشہ کو اختیار کریں، سارے ایک ہی غذا کھانے لگیں، سارے ایک ہی قسم کا لباس پہنیں اور سب ایک ہی کام کرنے لگ جائیں تو دنیا کا قائم رہنا مشکل ہو جائے۔ یہ اختلاف دنیا میں اتنا جاری وساری ہے کہ ایک گھر کے رہنے والوں میں اور ایک ہی ماں باپ کی اولاد میں بیٹوں بیٹوں اور لڑکیوں لڑکیوں میں اس قدر اختلاف ہو جاتا ہے کہ بعض اوقات

صرف خوراک کے متعلق اختلاف ابتلاء کی صورت اختیار کر لیتا ہے۔ایک بچہ کہتا ہے کہ میں فلاں ترکاری کھاؤں گا تو دوسرا بچہ کہتا ہے کہ میں یہ نہیں بلکہ وہ کھاؤں گا۔ایک ایک پھل کو پسند کرتا ہے تو دوسرا کہتا ہے کہ مجھے یہ پسند نہیں، میں تو فلاں لوں گا۔ایک کہتا ہے میں ٹوپی پہنوں گا تو دوسرا پگڑی کو پسند کرتا ہے۔ غرض یہ اختلاف طبائع میں کھانے پینے پہننے میں اور اخلاق میں اس قدر عظیم الشان ہے کہ قریبی سے قریبی رشتوں میں بھی بالکل نمایاں اور ظاہر نظر آتا ہے۔ایک ہی ماں باپ سے پیدا ہونے والے بچوں میں سے کوئی تو گھر میں بیٹھ کر کام کرنا پسند کرتا ہے اور دوسرا باہر چلنے پھرنے میں خوش رہتا ہے۔ایک کو حساب سے دلچسپی ہوتی ہے، دوسرے کو سائنس سے اور تیسرے کو ادب اور شاعری کا مذاق ہوتا ہے۔پھر ایک قسم کے پیشوں میں بھی آگے اختلاف ہوتا ہے۔اگر سب تجارت کرتے ہیں تو ایک کسی قسم کی تجارت کرتا ہے اور دوسرا دوسری قسم کی۔کوئی کسی میں ترقی کرتا ہے اور کوئی کسی میں۔ پھر اگر ترقی کرنے والے نہ بھی ہوں اور صرف دن گزارنے والے ہوں تو بھی کوئی کسی کام سے روٹی کماتا ہے اور کوئی کسی سے۔ پس یہ اختلاف دنیا میں ہر جگہ اور ہر حالت میں پایا جاتا ہے اور انسانی میلان اتنا بیّن اور واضح ہوتا ہے کہ اس سے کوئی انکار نہیں کر سکتا اور جس چیز میں انسان کا طبعی میلان ہو اُس کے مطابق اگر اسے کوئی کام پیش آئے اور وہ اس میں بشاشت بھی محسوس کرے تو وہ نیکی تو ہے مگر اس پایہ کی نہیں جس کا میلان اس کی فطرت میں نہ ہو۔

حاتم طائی سخاوت میں مشہور ہے مگر اس کا طبعی میلان سخاوت کی طرف تھا۔بچپن سے ہی وہ سخاوت کو پسند کرتا تھا۔ بلکہ بچپن میں جب اسے کھانے کیلئے کوئی چیز ملتی تو وہ دوسرے بچوں کو ڈھونڈتا پھرتا تھا کہ ان میں تقسیم کر دے اور اگر کوئی بچہ نہ ملتا تو وہ رو پڑتا کہ کسے دے۔ بسا اوقات بچپن میں وہ اپنے کپڑے دوسروں کو دے دیتا۔حتیٰ کہ ایک دفعہ اس کے باپ نے اس ڈر سے کہ وہ گھر کو اُجاڑ دے گا اسے جنگل میں اونٹوں کے گلوں پر بھیج دیا اور خیال کیا کہ وہاں تو اس طرح اُجاڑ نہیں کر سکے گا۔ وہاں سینکڑوں اونٹ پلتے تھے۔اتفاق سے وہاں عرب کے تین مشہور شاعر آ گئے جو اکٹھے کسی میلہ پر شعر کہہ کر واپس آ رہے تھے۔ وہ جب اس جگہ پہنچے تو حاتم نے اُن کیلئے تین اونٹ ذبح کر ڈالے۔انہوں نے کہا ہم تو صرف تین آدمی ہیں۔ ہمارے لئے ایک ہی اونٹ کافی تھا۔اِس پر اُس نے جواب دیا کہ اگر میں ایک ہی اونٹ ذبح کرتا تو یہ صرف ایک کی مہمان نوازی ہوتی اور باقی دو طفیلی ہوتے اور میں مہمانوں میں فرق

کرنا پسند نہیں کرتا۔اس بات کا اِن پر اتنا اثر ہوا کہ انہوں کے اس کے خاندان کی تعریف میں کچھ شعر کہہ دیئے اور اسے سنائے۔شعر سن کر حاتم نے کہا کہ تم تو بڑے ادیب اور شاعر معلوم ہوتے ہو اور تمہارے یہ شعر ہمارے خاندان کو ہمیشہ کیلئے مشہور کر دیں گے۔اس کے مقابلہ میں ہمارے یہ اونٹ ہمیں کوئی شہرت نہیں دے سکتے۔اس لئے تم قرعہ ڈال کر یہ سب اونٹ آپس میں تقسیم کرلو اور لے جاؤ چنانچہ وہ لے گئے۔کسی نے حاتم کے باپ کو بھی اس کی خبر کر دی۔ چنانچہ وہ آیا اور اس نے پوچھا کہ تم نے یہ کیا کیا؟ حاتم نے جواب دیا کہ تمہارے یہ اونٹ تمہیں کتنا مشہور کر سکتے تھے۔اگر یہ اونٹ ہوتے تو تمہیں کونسی خاص شہرت ہو جاتی۔جبکہ تھوڑے تھوڑے فاصلہ پر کئی ایسے لوگ ہیں جو بہت بہت اونٹوں کے مالک اور امیر ہیں مگر دیکھو یہ شعر اَوروں کو کہاں نصیب ہو سکتے ہیں۔یہ تو میں نے تمہارے لئے ایک ایسا شہرت کا ذخیرہ مہیا کر دیا ہے جس کے مقابلہ میں اونٹوں کی کوئی حقیقت ہی نہیں۔آخر تنگ آ کر اُس کے باپ نے اُسے عاق کر دیا اور خود کسی اور طرف نکل گیا۔پس ایسا شخص اگر اسلام میں داخل ہو جائے اور صدقہ و خیرات کرے تو یقیناً یہ اس کا نیک کام ہوگا مگر یہ اُس کی کامل نیکی نہیں ہوگی کیونکہ اس میں اس کی فطرت کے میلان کا بھی دخل ہے۔اسی طرح اگر دنیا کے مشہور جری اور بہادر جیسے ایشیائی پہلوانوں میں رُستم اور اسفندیار ہیں، اسلام میں داخل ہو کر اپنے اوقات لڑائیوں میں گزاریں تو بے شک ہم کہیں گے کہ وہ جہاد کرتے ہیں مگر اُن کا یہ جہاد اس پایہ کی نیکی نہیں ہوگی جتنی اُس شخص کی جو لڑائی میں جانا پسند نہیں کرتا۔یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مومنوں کے متعلق سورۂ انفال میں فرمایا ہے کہ وہ لڑائی کیلئے ایسی حالت میں نکلتے ہیں کہ وَاِنَّ فَرِيْقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِيْنَ لَكٰرِهُوْنَ[1] یعنی ان میں سے ایک بڑا گروہ اس سے نفرت کر رہا ہوتا ہے۔بعض لوگ اس کے یہ معنی کرتے ہیں کہ صحابہ کرام لڑائی سے جی چراتے تھے، مگر یہ درست نہیں۔صحابہؓ نے اپنے عمل سے ثابت کر دیا کہ وہ اپنی جانوں کو ہرگز اسلام کے مقابلہ میں عزیز نہیں جانتے تھے۔پس کراہت کے معنے اِس جگہ یہ ہیں کہ وہ لڑائی سے نفرت کرتے تھے۔اس لئے کہ اس میں دوسرے لوگ مارے جائیں گے اور ان دونوں قسم کی کراہتوں میں بڑا فرق ہے۔ایک کراہت اس شخص کی ہے جو سمجھتا ہے کہ میں نہ مارا جاؤں، وہ بُزدل ہے اور ایک اس لئے کراہت کرتا ہے کہ انسانی جانیں ضائع ہوں گی اور مر جانے والوں کیلئے ہدایت کا کوئی موقع باقی نہیں رہے گا۔یہ اعلیٰ بہادری اور شرافت نفس کی دلیل ہے۔پس جو شخص لڑائی اور دنگا فساد کو پسند کرتا ہے وہ اگر جہاد میں شامل ہو تو یہ اس

کی نیکی تو ضرور ہوگی مگر اُس پایہ کی نہیں جتنی اس شخص کی جو دنگا فساد اور قتل وخونریزی کو ناپسند کرتا ہے۔ پس اللہ تعالیٰ نے صحابہ کیلئے وَھُمْ کٰرِھُوْنَ بمقام مدح میں بیان کیا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ کسی زمانہ میں ان پر یہ الزام لگایا جائے گا۔ جیسے آجکل یورپین مؤرخ کرتے ہیں کہ وہ لوگ لُوٹ مار کو پسند کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ یہ صحیح نہیں بلکہ وہ تو لڑائی کو دل سے ناپسند کرتے تھے اور صرف اس صورت میں لڑتے تھے کہ جب دیکھتے کہ اب کافروں نے ان کیلئے اس سے بچنے کا کوئی رستہ نہیں چھوڑا۔ تو یہ ان کی نیکی بیان کی گئی ہے کہ وہ مجبور ہو کر لڑتے تھے ورنہ وہ کسی کو دکھ دینا پسند نہیں کرتے تھے۔ چنانچہ اس کی عملی مثال رسول کریم ﷺ کی زندگی میں ہمیں ملتی ہے۔ باوجود اس کے کہ آپ نے درجن بھر سے زیادہ لڑائیوں میں حصہ لیا اور باوجود اس کے کہ آپ شدید معرکوں میں جو بلحاظ قتل وخونریزی کے شدید تھے، اگرچہ ان میں حصہ لینے والوں کی تعداد زیادہ نہ ہو، کمان کرتے رہے۔ مگر سوائے ایک کے کوئی شخص آپ کے ہاتھ سے مارا نہیں گیا اور وہ بھی اس لئے کہ اس نے خود آپ کے ہی ہاتھ سے مارے جانے پر زور دیا۔ آپ خود اسے بھی مارنا پسند نہ کرتے تھے۔ صحابہ اس کے مقابلہ پر آتے مگر وہ سب سے کہتا کہ تم ہٹ جاؤ میرا مقابلہ محمد سے ہے اور میں تم میں سے کسی سے نہیں لڑوں گا۔ یہ دیکھ کر رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اسے آنے دو۔ ورنہ آپ پر نَعُوْذُ بِاللّٰہِ بُزدلی کا الزام لگتا اور غیرت کے خلاف فعل سمجھا جاتا۔ اور جب وہ آگے آیا تو آپ نے اُسے قتل کرنے کی نیت سے نہیں بلکہ صرف اُس کے حملہ کو روکنے کیلئے نیزہ کی اَنی چبھوئی اور اسی سے اللہ تعالیٰ نے اسے اتنا شدید درد پیدا کر دیا کہ وہ میدانِ جنگ سے بھاگ گیا اور بعد میں مر گیا۔[۲] گویا اسے بھی آپ نے قتل نہیں کیا بلکہ صرف زخمی کیا اور یہ اتنی عظیم الشان بات ہے کہ دنیا کی کسی تاریخ میں اس کی مثال نہیں مل سکتی کہ کوئی جرنیل اور کمانڈر اِس قدر معرکوں میں شامل ہوا ہو اور اسکے ہاتھ سے صرف ایک ہی شخص مارا گیا ہو۔ تو صحابہ عام طور پر اور آنحضرت ﷺ خاص طور پر لڑائی کو ناپسند کرتے تھے مگر باوجود اس کے ان کو لڑائیاں کرنی پڑتی تھیں۔ اس لئے کہ دشمن ان کو مجبور کر دیتے تھے۔ اِلَّامَاشَاءَ اللّٰہُ بعض اس کے برعکس بھی ہوں گے جو لڑائی کو پسند کرتے ہوں گے اور تیز طبیعت بھی ہوں گے مگر مستثنیات ہمیشہ قانون کو ثابت کرتی ہیں ردّ نہیں کرتیں۔

تو وہ اخلاق جو طبیعت کے خلاف ظاہر ہوتے ہیں وہی نیکی کے کمال پر دلالت کرتے ہیں۔ طبیعت کے میلان کے مطابق جو نیکی ہو وہ کامل نیکی نہیں کہلا سکتی۔ مثلاً حضرت مسیح ناصری علیہ السلام نے

فرمایا کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی آگے کر دو۔[۲] اب اگر ان کا سارا کریکٹر اسی نقطہ کے گرد گھومتا ہے اور یہی بات ان کے ہر عمل میں نظر آتی ہے تو یہ کوئی اعلیٰ خوبی نہیں۔ اس کے یہ معنے ہیں کہ ان کی تمام نیکیوں میں ان کے طبعی میلان کا دخل ہے۔ نیکی دراصل اسی کی ہوتی ہے جس کی زندگی میں ہر قسم کی نیکیاں پائی جائیں۔ جیسے ہمارے رسول کریم ﷺ کی ذات ہے۔ عفو میں آپ نے ایسا نمونہ دکھایا کہ اس سے بہتر عفو نہیں ہوسکتا۔ لڑائی میں اِس قدر دلیر تھے کہ آپ سے بڑھ کر کوئی دلیر نظر نہیں آتا۔ پالیسی میں اس قدر ذہین تھے کہ آپ سے بہت تدبیر کرنے والا اور سپاہیوں کو لڑانے والا کوئی دوسرا نہیں ملتا۔ جب آپ تقریر کرتے تو ایسی کہ بڑے بڑے مقررین آپ کے سامنے ہیچ نظر آتے۔ ایک دفعہ آپ تقریر کرنے کیلئے صبح کھڑے ہوئے تو شام تک تقریر کرتے رہے صرف نماز کیلئے بند کرتے اور نماز پڑھ کر پھر شروع فرما دیتے۔ مگر جب مختصر بات فرماتے تو ایسی کہ اس کی تفسیر میں کئی کتابیں لکھی جاسکیں۔ گویا ایک طرف آپ کے لیکچر میں اتنی وسعت نظر آتی ہے کہ انسان حیران رہ جاتا ہے اور دوسری طرف اختصاراً کلام فرماتے تو عقل دنگ رہ جاتی ہے۔ جب آپ سخاوت کرتے تو انتہاء درجہ کی حتیٰ کہ صحابہؓ کا بیان ہے کہ آپ بِالخصوص رمضان میں اس طرح سخاوت کرتے کہ جس طرح تیز آندھی چلتی ہے[۴] اور پھر اس کے ساتھ ہی لَاتُبَذِّرْ تَبْذِیْرًا [۵] پر آپ کا عمل تھا۔ یعنی سخاوت کو فضول اور رائیگاں نہ گنواتے اور نہ بے محل استعمال کرتے۔ حاتم طائی کی سخاوت تو تھی مگر بے محل۔ کیونکہ وہ حلوائی کی دُکان پر دادا جی کی فاتحہ والی سخاوت تھی۔ باپ کے مال پر اُس کا کیا حق تھا کہ اُسے تقسیم کر دیتا۔ اِس کے مقابل پر آنحضرت ﷺ ایک طرف تو آپ اِس قدر سخی تھے کہ جیسا کہ میں نے بیان کیا ہے صحابہؓ کہتے ہیں کہ رمضان کے دنوں میں آپ اس طرح سخاوت کرتے کہ گویا تیز آندھی چل رہی ہے۔ مگر دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ ایک شخص نے ایک دفعہ آپ کی عزت کی اور کہا کہ آپ پانچ آدمیوں کو ساتھ لے آئیں۔ آپ نے پانچ آدمیوں کو ساتھ لیا اور اس کے گھر کی طرف چلے۔ رستہ میں ایک چھٹا آدمی ساتھ شامل ہوگیا۔ بعض طبائع بے تکلّف ہوتی ہیں اور ایسے لوگ خود بخود ساتھ ہو جایا کرتے ہیں۔ جب آپ اس شخص کے دروازے پر پہنچے تو فرمایا کہ اس نے صرف پانچ آدمیوں کی اجازت دی تھی، چھ کی نہیں۔[۶] گویا جب دوسرے کے حق کا سوال پیدا ہوا تو آپ نے اس قدر احتیاط کی۔ یوں تو آپ فرمایا کرتے تھے کہ ایک آدمی کا کھانا دو آدمی کھا سکتے ہیں مگر اس وقت یہ نہیں فرمایا کہ پانچ کا کھانا چھ کھالیں گے۔ کیونکہ یہاں

سخاوت کا نہیں بلکہ دوسرے کے حق کا سال تھا۔ جب آپ قضا فرماتے تو یہی نظر آتا تھا کہ آپ بہترین قاضی ہیں اور ساری توجہ آپ کی اسی کام کی طرف ہے۔ لیکن جب تدریس فرماتے تو یہی معلوم ہوتا ہے کہ آپ کا سارا میلان اسی کی طرف ہے اور آپ بہترین مدرّس ہیں۔ پھر جب آپ تربیت فرماتے تو یہی معلوم ہوتا کہ آپ بالکل ایسے ہیں جیسے تربیت کرنے والے اور بورڈنگوں وغیرہ کے افسر ہوتے ہیں اور گویا آپ صرف مربی ہیں۔ پھر جب مجلس میں بیٹھتے تو صحابہؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم میں سے ہر شخص یہی خیال کرتا تھا کہ آپ میرے ساتھ سب سے زیادہ محبت کرتے ہیں اور یہ نظر آتا تھا کہ آپکو ان لوگوں کے سوا اور کسی کا بلکہ اپنے گھر والوں کا بھی کوئی خیال نہیں۔ لیکن جونہی گھر میں قدم رکھتے آپ کی بیویاں خیال کرتیں کہ آپ سے زیادہ محبت کرنے والا خاوند دنیا بھر میں نہیں ہوگا۔ آپ جب بچوں سے ملتے تو معلوم ہوتا کہ آپ ایک خوش مذاق نوجوان ہیں اور بچوں سے کھیلنے میں ہی ساری لذت محسوس کرتے ہیں۔ کسی بچہ کو کندھے پر اُٹھاتے، کسی کو چھیڑتے، کسی کو پیار فرماتے ہیں مگر جب بوڑھوں میں جاتے تو ایسا نظر آتا کہ بڑھاپا ہی بڑھاپا ہے۔ آپ کے منہ سے عقل اور تدبیر کے پھول جھڑتے ہیں۔ جب آپ دوستوں کی طرف توجہ کرتے تو معلوم ہوتا ہے ان کے سوا آپ کو کسی کا خیال تک نہیں۔ مگر جب دشمن کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو صاف نظر آتا ہے کہ وہ بھی اتنا ہی آپ کی آنکھوں کے سامنے ہے جتنا دوست۔ مختصر یہ کہ دنیا کی کوئی نیکی ایسی نہیں جس میں آپ نمایاں نظر نہیں آتے اور نیکی اسی کا نام ہے۔ یہ نیکی نہیں کہ اگر کوئی تمہارے ایک گال پر تھپڑ مارے تو دوسرا بھی آگے کر دو، یہ تو طبیعت کا میلان ہے۔ نیکی یہی ہے کہ ایک تھپڑ کھا کر دوسرا آگے کرنے کے موقع پر آگے کر دیا جائے اور مقابلہ کرنے کے موقع پر مقابلہ کیا جائے۔ ہاتھ کھولنے کے موقع پر کھولا جائے اور بند رکھنے کے موقع پر بند رکھا جائے۔ دوستوں کے تحفظ کا سوال ہو تو اس کا خیال رکھا جائے اور دشمنوں سے انصاف کا موقع ہو تو اس کا۔ قضاء کے موقع پر بہترین قاضی بنا جائے اور لڑائی کے موقع پر بہترین جرنیل۔ تعلیم کا معاملہ ہو تو انسان معلّم بنے اور تربیت کا وقت ہو تو مربی۔ اور اخلاق بیان کرنے کا وقت ہو تو عظیم الشان فلسفی نظر آئے۔ غرضیکہ ساری نیکیوں کا خیال رکھا جائے۔ یہی حقیقی اور کامل نیکی ہے کیونکہ یہ ساری چیزیں طبیعت کا میلان نہیں ہوسکتیں۔ ایسی حالت میں ماننا پڑے گا کہ اگر کچھ چیزیں طبیعت کا میلان ہیں تو کچھ ایسی بھی ہیں جو محض نیکی کی خاطر اور خدا تعالیٰ کی رضا کیلئے کی جارہی ہیں۔ یہ چیز ہے جو دنیا میں نیکی کو قائم کرنے کیلئے ضروری ہے۔

جو لوگ چندہ دے کر یہ سمجھ لیتے ہیں کہ ہم نے بڑا کام کر لیا اب ہمیں نمازوں کی کیا ضرورت ہے۔ یا جو نمازیں پڑھ کر خیال کر لیتے ہیں کہ اب ہمیں زکوٰۃ کی ضرورت نہیں۔ حج کر لیا تو خیال کر لیا کہ اب عمرہ کی کیا حاجت ہے۔ روزہ رکھ کر سمجھ لیا کہ اب ہمیں اپنی یا ہمسائیوں کی تربیت اور لوگوں کے اخلاق کی نگرانی کی کوئی ضرورت نہیں۔ وہ صرف اپنے اپنے میلاناتِ طبائع کی اتباع کرتے ہیں خدا تعالیٰ کے احکام کی نہیں اور ایسے لوگ کبھی صحیح قومی ترقی حاصل نہیں کیا کرتے۔ یہ مقصد ہے جسے تم نے حاصل کرنا ہے اور تم اس مقصد کے حصول کا ارادہ کر کے کھڑے ہوئے ہو۔ اس کا نام خواہ تحریک جدید رکھ لو یا تحریک قدیم۔ نام سے کوئی غرض نہیں، اصل مقصود کام ہے۔ اس کا نام خواہ کچھ رکھ لیا جائے اور یہ تحریک جدید نہیں بلکہ اسے تم تحریک اَقدم کہہ سکتے ہو کیونکہ یہ آدم کے وقت سے ہے، کوئی نہیں تحریک نہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ کام ہم نے کرنا ہے یا نہیں اور میرا نقطۂ نگاہ تو یہ ہے کہ خواہ کوئی اس سے متفق ہو یا نہ ہو کہ اگر ہم نے اس بات کو پورا نہ کیا اور قومی زندگی کو اس طرح نہ بدلا تو ہم اپنے مقصد میں کبھی کامیاب نہیں ہو سکتے اور ہمیشہ ناکام و نامراد رہیں گے۔ اگر واقعی ہمارا یہی مقصود ہے تو ہمیں سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا کہ اس راہ میں کیا کیا روکیں ہیں اور کن کن قربانیوں کی ہمیں ضرورت ہے۔ اور جب تک اس کے متعلق اپنے قلوب میں قطعی فیصلہ نہ کر لیں اس جہت میں کوئی قدم نہیں اُٹھا سکتے۔

اصل بات یہ ہے کہ کوئی کام مشکل نہیں ہوتا، مشکل اس کا سمجھ لینا اور ارادہ کر لینا ہوتا ہے۔ جب یہ ہو جائے تو پھر کام آسان ہوتا ہے۔ جو شخص کام کو سمجھتا نہیں اور صرف رَو میں بہتا ہے وہ کامیاب نہیں ہو سکتا۔ مثلاً اگر جہاد کا وقت ہوا تو اس کی اہمیت اور ضرورت کو سمجھے بغیر شامل ہو گیا۔ تو جب اسے مشکلات نظر آئیں گی بھاگ اُٹھے گا۔ رسول کریم ﷺ کے زمانہ میں بھی جو بغیر سوچے سمجھے ساتھ ہو لیتے تھے ان میں سے ہی بعض لڑائی میں سے بھاگ بھی آیا کرتے تھے۔ پس کام میں روکیں صرف اسی وجہ سے پیدا ہوتی ہیں کہ بعض لوگ حقیقی طور پر اسے سمجھتے نہیں۔ بعض لوگ تو بے سوچے ہی داخل ہو جاتے ہیں اور بعض لوگ خیال کر لیتے ہیں کہ ہم نے سمجھ لیا ہے مگر حقیقتاً سمجھا نہیں ہوتا اور محض رَو میں بہہ کر شامل ہو جاتے ہیں۔ لیکن جب مشکلات دیکھتے ہیں تو پھر پیچھے ہٹتے ہیں۔ ایسے لوگوں کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کہتے ہیں کہ اپنے بہادری کی علامت کے طور پر شیر کی تصویر کندھے پر گدوانے گیا تھا۔ پُرانے زمانے میں یہ رواج تھا کہ لوگ اپنے جسموں پر مختلف تصویریں گدوا لیتے تھے اور اس سے مراد یہ ہوتی تھی

کہ ہمارے اخلاق اس تمثیل کے صاحب کی طرح ہیں۔ مثلاً کوئی عقاب کی تصویر گدوالیتا تھا اور اس کا مطلب یہ ہوتا کہ میں دشمن پر عقاب کی طرح جھپٹتا ہوں اور اُسے اُٹھا کر لے جاتا ہوں۔ یا سانپ کی تصویر گدوالی جس کے معنے یہ ہوتے کہ میں سانپ کی طرح دشمن کو ڈس لیتا ہوں اور پھر وہ بچ نہیں سکتا۔ یہ شخص جس کی کہاوت ہے اُس کو یہ وہم تھا کہ میں بڑا بہادر ہوں اور اُس نے سوچا کہ سب سے زیادہ بہادر تو شیر ہوتا ہے اس لئے مجھے اپنے جسم پر شیر کی تصویر گدوالینی چاہئے۔ چنانچہ وہ گدوانے والے کے پاس گیا اور اسے کہا کہ شیر کی تصویر گود دو۔ اُس نے جب سوئی ماری کہ نشان کر کے اس میں سرمہ بھرے تو اس نے پوچھا کہ کون سا حصہ گودنے لگے ہو؟ اس نے کہا کہ دایاں کان۔ وہ کہنے لگا پہلے یہ بتاؤ کہ اگر شیر کا دایاں کان نہ ہو تو وہ شیر رہتا ہے یا نہیں؟ اس نے کہا رہتا تو ہے۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ بس پھر یہ چھوڑ دو۔ اس نے پھر سوئی ماری تو اس نے پوچھا اب کیا گودتے ہو؟ اس نے کہا بایاں کان۔ کہنے لگا اچھا یہ بتاؤ کہ اگر شیر کا بایاں کان نہ ہو تو وہ شیر رہتا ہے یا نہیں؟ وہ کہنے لگا رہتا تو ہے۔ کہنے لگا کہ بس پھر یہ بھی چھوڑ دو۔ اس کے بعد اُس نے پھر سوئی ماری تو اس نے پوچھا کہ اب کیا گودتے ہو؟ اس نے کہا کہ دُم۔ کہنے لگا اگر دُم نہ ہو تو کیا شیر نہیں رہتا؟ اس نے کہا رہتا تو ہے۔ اس پر وہ کہنے لگا کہ بس پھر دُم بھی چھوڑ دو۔ اسی طرح بعض اور اعضاء کے گودنے کے متعلق بھی اس نے ایسا ہی کہا۔ اس پر گودنے والا سوئی رکھ کر بیٹھ گیا۔ اس نے پوچھا کہ گودتے کیوں نہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ بس اب شیر کا کچھ نہیں رہ گیا۔ کیونکہ جب نہ کان ہوں نہ دُم نہ ٹانگیں تو شیر کا رہ کیا گیا۔ دراصل یہ مثال اخلاقی حالت بیان کرنے کیلئے ہے۔ جو شخص یہ سوچتا رہتا ہے کہ اگر یہ بات نہ ہو تو میں احمدی رہ سکتا ہوں یا نہیں اور وہ نہ ہو تو رہ سکتا ہوں یا نہیں، اس کی احمدیت باقی نہیں رہ سکتی۔ باقی اُسی کی رہتی ہے جو یہ خیال کرتا رہتا ہے کہ اگر یہ بات بھی شامل ہو جائے تو میری احمدیت اور اچھی ہو جائے گی اور اگر فلاں بھی کر سکوں تو اور بھی اچھی ہو جائے گی۔

حضرت خلیفۃ المسیح الاوّل سنایا کرتے تھے کہ ایک دفعہ میں درس دے رہا تھا کہ ایک رئیس وہاں آ کر بیٹھ گیا۔ میں پڑھا رہا تھا اور میں نے بتایا کہ دوزخ دائمی نہیں بلکہ ایک وقت یہ سزا منقطع ہو جائے گی اور جنت حاصل ہو جائے گی اس پر وہ کہنے لگا کہ پھر یہ تو بڑا مزا ہے۔ ہم اس دنیا میں بھی عیش کرتے ہیں اور اگلے جہان میں بھی تھوڑی سی سزا کے بعد جنت حاصل کر لیں گے۔ آپ فرماتے تھے کہ وہ

بڑا آدمی تھا، میں نے خیال کیا کہ یہ ایسی ہی مثال سے سمجھے گا۔ میں نے کچھ روپے نکال کر رکھ دیئے اور کہا کہ گلی میں چل کر مجھے دو تین جوتے مار لینے دیں اور یہ روپے لے لیں۔ اس پر وہ بہت غصہ میں آیا اور کہنے لگا کہ تم مولوی لوگ ایسے ہی بدتہذیب ہوتے ہو، یونہی عالم بنے پھرتے ہو۔ میں نے کہا کہ اگر واقعی تم اس بات کو پسندیدہ سمجھتے ہو کہ اگلی پچھلی مخلوق کے سامنے دوزخ کی سزا برداشت کر کے جنت لے لوتو پھر گلی میں چل کر چند آدمیوں کے سامنے جوتے کھا کر انعام کیوں نہیں لیتے۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ تم نے جو بات کہی تھی وہ جھوٹ تھی۔ دراصل تم اس کیلئے تیار نہیں ہو۔ تو کئی لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو یہی خیال کرتے رہتے ہیں کہ چلو یہ بات نہ کی تو کیا احمدی نہ رہیں گے۔

مجھے یاد ہے جب مولوی محمد احسن صاحب فوت ہوئے اور میں نے ان کا جنازہ پڑھا تو بعض لوگوں نے مجھے لکھا کہ جب آپ نے ان کا بھی جنازہ پڑھ لیا تو پھر بیعت کی کیا ضرورت ہے؟ ایسے لوگوں کے خیال میں مدارج کا فرق کوئی فرق ہی نہیں ہوتا۔ حالانکہ بیعت اور عدمِ بیعت کا فرق تو الگ رہا رنگ میں اگر اُنیس بیس کا فرق ہو تو وہ بھی فرق ہی ہوتا ہے۔ گورنمنٹ بی۔ اے پاس لوگوں کو بھی نوکریاں دے دیتی ہے مگر کیا پھر لوگ ایم۔ اے پاس کرنا چھوڑ دیتے ہیں؟ کمشنر اور ڈپٹی کمشنر میں فرق تھوڑا ہی ہوتا ہے مگر کیا اس کے یہ معنے ہیں کہ لوگ پھر کمشنری کا خیال ہی چھوڑ دیتے ہیں اور یہ سمجھ لیتے ہیں کہ اگر کچھ فرق ہے تو کیا ہوا۔ اور جب دنیا میں کچھ فرق کا خیال نہیں چھوڑا جا سکتا اور بندوں کا کچھ بھی بڑا سمجھا جاتا ہے تو کیا خدا کا کچھ ہی ایسا بے حقیقت ہے کہ اس کا خیال نہ کیا جائے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ایک بھانجے تھے۔ آپ ایک دفعہ ان پر ناراض ہوئیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی چونکہ کوئی اولاد نہ تھی اور ان کی جائیداد رشتہ داروں میں ہی تقسیم ہونی تھی۔ اس بھانجے نے کہیں کہہ دیا کہ یہ سخاوت بہت کرتی ہیں، انہیں روکنا چاہئے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جب یہ سنا تو بہت ناراض ہوئیں اور قسم کھائی کہ میں آئندہ کبھی اس کی شکل نہ دیکھوں گی اور اگر دیکھوں تو کچھ صدقہ کروں گی۔ اس ناراضگی پر کچھ عرصہ گزر گیا تو اس بھانجے نے بعض صحابہؓ سے کہا کہ ناراضگی دور کرا دو۔ انہوں نے کہا کہ ہم اتنا کر دیں گے کہ تمہیں اندر لے جائیں۔ کیونکہ بغیر اِذن کے وہ اندر نہ جا سکتے تھے۔ آگے اندر جا کر تم اپنی خالہ سے لپٹ جانا اور معافی لے لینا۔ چنانچہ چھ سات صحابہ مل کر گئے اور دروازہ پر جا کر اجازت مانگی۔ حضرت عائشہؓ نے دریافت فرمایا کہ کون ہیں؟ تو انہوں نے

دو چار کا نام لے دیا اور کہا کہ یہ اور کچھ اور ہیں۔ حضرت عائشہؓ نے پردہ کھینچ دیا اور اجازت دے دی۔ چنانچہ یہ اندر گئے اور ساتھ ہی وہ بھانجا چلا گیا اور پھر پردے کے اندر جا کر آپ سے لپٹ گیا اور معافی مانگنے لگا۔ حضرت عائشہؓ نے اسے معاف تو کر دیا مگر اس کے بعد جو غلام بھی آپ کے پاس آتا اُسے آزاد کر دیتیں اور فرماتیں کہ میں نے کہا تھا کہ کچھ صدقہ کروں گی۔ اب مجھے کیا علم ہے کہ خدا تعالیٰ کے نزدیک کچھ کی حد بندی کیا ہے؟ [۷]

تو یہ کتنی نادانی کی بات ہے کہ لوگ کچھ کے فرق کو بے حقیقت سمجھتے ہیں۔ حالانکہ خدا تعالیٰ کے کچھ کا فرق انسانی کچھ کے مقابلہ میں ذرہ اور سورج کا فرق ہے۔ کیا تم میں سے کوئی یہ پسند کرتا ہے کہ وہ خاک کا ذرہ ہو اور سورج نہ ہو۔ ابوجہل بھی انسان تھا اور محمد رسول اللہ ﷺ بھی انسان تھے۔ مگر کیا تم یہ پسند کرتے ہو کہ تم ابوجہل بن جاؤ۔ پھر رسول کریم ﷺ بھی انسان تھے اور وہ مسلمان بھی جو ہمیشہ غلطیاں کرتے اور جھاڑیں کھایا کرتے تھے۔ پھر کیا تم اس وجہ سے رسول کریم ﷺ کے مثیل بننے کی کوشش نہ کرو گے کہ دوسرے بھی انسان تھے۔ اگر جنازہ پڑھا جانا ہی معیار ہے تو رسول کریم ﷺ کا بھی جنازہ پڑھا گیا تھا اور ایک ادنیٰ مسلمان کا بھی پڑھا جاتا ہے پھر کیا دونوں ایک ہی ہیں؟ کیا یہی جنازہ ایک معیار ہے۔ تو بعض لوگوں کا نقطۂ نگاہ یہی ہوتا ہے۔ ہر بات کے متعلق وہ یہی کہہ دیتے ہیں کہ اگر یہ نہ ہوئی تو کیا ہم احمدی نہ رہیں گے۔ جب دیکھتے ہیں کہ کسی بات پر وہ شدید گرفت کے نیچے نہیں آئیں گے تو اسے نظر انداز کر دیتے ہیں۔ مگر صحابہ کا نقطۂ نگاہ اس کے بالکل اُلٹ تھا۔ ایک صحابی ایک دفعہ کسی جنازہ کے پاس سے گزرے تو انہیں بتایا گیا کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کسی کا جنازہ ادا کرنے اور پھر دفن تک ساتھ رہے تو اسے اُحد کے پہاڑ کے برابر ثواب حاصل ہوتا ہے۔ یہ سن کر انہوں نے افسوس سے کہا کہ ہم نے تو کئی اُحد ضائع کر دیئے۔ [۸] یہ اعلیٰ درجہ کی قربانیوں میں سے تو نہیں مگر یہ بات سن کر وہ برداشت نہ کر سکے۔ اور یہ اُحد بھی تو صرف سمجھانے کیلئے کہا گیا ہے ورنہ خدا تعالیٰ کا ثواب تو ساری دنیا کے پہاڑوں سے بھی بھاری ہوتا ہے۔ اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ ہم ادنیٰ درجہ کے مومن کو بھی جو انعام دیں گے وہ زمین و آسمان کے برابر ہوگا۔

پس یہ خیال کہ بعض نیکیاں اگر چھوٹ جائیں تو کیا حرج ہے کافر اور منافق بنانے کیلئے کافی ہوتا ہے۔ یوں کوئی چھوٹ جائے تو علیحدہ بات ہے مگر اس نیت سے نہ چھوڑے کہ یہ معمولی بات ہے۔ یہ صحیح

ہے کہ ہر انسان اس میں کامیاب نہیں ہوسکتا کہ ساری نیکیاں کرے۔ مگر جو یہ خیال کر لیتا ہے کہ اگر کوئی چھوٹ جائے تو کیا حرج ہے۔ اس کی سَو میں سے اگر ایک بھی چھوٹ جائے تو باقی ننانوے بھی ساتھ ہی ضائع ہو جاتی ہیں۔ اس لئے پیشتر اس کے کہ مَیں وہ باتیں بیان کروں جو میں تحریک جدید کے سلسلہ میں کہنا چاہتا ہوں میں چاہتا ہوں کہ جماعت اپنی ذہنیت میں تبدیلی کر لے اور جو تبدیلی نہیں کرے گا وہ یا تو منافق بنے گا اور یا پھر ہمارے رستہ میں پتھر بن کر رُکاوٹ پیدا کرے گا۔ آئے دن ان کی طرف سے فتنے اُٹھتے رہیں گے۔ سفر میں جو شخص ساتھ چلنا چاہے مگر چل نہ سکے وہ ہمیشہ دوسروں کے لئے مصیبت ہی بنا کرتا ہے۔ کبھی کہتا ہے ذرا بیٹھ جاؤ، سانس لے لیں۔ کبھی کہتا ہے پانی پی لیں اور کبھی یہ کہ پیشاب کر لیں اور اس طرح دوسروں کا سفر بھی خراب کرتا ہے لیکن جب ذہنیت میں تبدیلی پیدا ہو جائے تو ہر شخص اپنی ذمہ واری کو سمجھتا ہے۔

چونکہ جلسہ کے ایام قریب ہیں اس لئے میں اس وقت اہم تفاصیل میں جانا نہیں چاہتا۔ اگر اللہ تعالیٰ نے توفیق دی تو اِنْشَاءَ اللّٰہ جلسہ سالانہ کے بعد بیان کروں گا۔ مگر فی الحال دوستوں کو اس امر کی طرف توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اپنی ذہنیت میں تبدیلی پیدا کریں۔ اس کے متعلق میں نے پہلے بھی بعض خطبے پڑھے تھے اور توجہ دلائی تھی کہ جب تک ہماری ذہنیت میں تبدیلی نہ ہو کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا۔ جب تک ہمارا دانا اور نادان، عالم اور اَن پڑھ، چھوٹا اور بڑا، بچہ اور بوڑھا یہ سمجھ نہیں لیتا کہ اسلام دراصل ایک خاص قسم کے قوانین کے مجموعہ کا نام ہے اور جب تک ہم ان کو جاری نہیں کر لیتے اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہوسکتے۔ اسلام نہ کسی کلمہ کا نام ہے اور نہ کسی اقرار کا۔ یہ کلمے اور اقرار تو صرف علامتیں ہیں اور تعلیمات کے خلاصے ہیں۔ ورنہ اسلام ایک وسیع تمدنی دائرہ کا نام ہے جسے قائم اور مکمل کئے بغیر قومی زندگی حاصل نہیں ہوسکتی۔ جب ہم اس دائرہ کو مکمل کرنے میں کامیاب ہو جائیں، جب اس کعبۃ اللہ کی تعمیر کر لیں، اُسی وقت ہم کامیاب ہوں گے۔ اُسی وقت حج شروع ہوگا لیکن جب تک وہ دائرہ ہم مکمل نہیں کر لیتے، جب تک وہ گھر نہیں بنا لیتے اُس وقت تک کامیابی کی تمام امیدیں محض وہم ہیں جن کے اندر کوئی حقیقت نہیں۔

جیسا کہ میں کہہ آیا ہوں تفاصیل تو اِنْشَاءَ اللّٰہ جلسہ سالانہ کے بعد بیان کروں گا مگر بعض چھوٹی چھوٹی چیزوں کا ذکر اس اثنا میں بھی کرتا رہوں گا۔ چنانچہ ایک آج بیان کرتا ہوں جو یہ ہے کہ نوجوان

نکلیں اور باہر جائیں۔تحریک جدید کے شروع میں بھی میں نے دوستوں کو اس طرف توجہ دلائی تھی اور بہت سے نوجوان نکلے بھی تھے مگر ان کے نکلنے کا طریق زیادہ مفید نہیں تھا۔اور اس لئے جن ممالک میں ہم جانا چاہتے تھے اور جس رنگ میں کام کرنا چاہتے تھے نہیں کیا جاسکا۔ بے شک انہوں نے قربانیاں کیں مگر صحیح طریق پر ان کی قربانیوں کو استعمال نہیں کیا جاسکا۔ اس لئے میں دوستوں کو پھر توجہ دلاتا ہوں کہ وہ اس رنگ میں اپنے آپ کو وقف کریں کہ دینی تعلیم حاصل کرنے کے بعد مبلغ بن سکیں۔ میں نے پچھلے سے پچھلے خطبہ میں بھی بیان کیا تھا کہ ہمیں ایسے نوجوانوں کی ضرورت ہے جو یا تو انگریزی دان ہوں اور ہم انہیں دینی تعلیم دلاویں۔ یا ایسے عالم ہوں جن کو یورپین زبانیں سکھالیں۔ پہلا حملہ تو ہو چکا۔ اُس وقت ہمیں جو ملا اور اُسے جہاں بھیجنا پسند کیا بھیج دیا۔ اس سے ہم نے تجربہ حاصل کیا، نتیجہ نکالا، خطرات دیکھے، فوائد کا مشاہدہ کیا اور آئندہ کیلئے نقائص کو دور کرنے کیلئے اپنے ذہن میں بعض تدابیر کا اندازہ کیا۔ اب دوسرا قدم ہمیں ایسے رنگ میں اُٹھانا چاہئے کہ یا تو یورپین زبانوں کے ماہرین کو دین سکھائیں اور یا علماء کو زبانیں سکھا کر باہر بھیجیں تا وہ باہر جا کر مکمل تبلیغ کر سکیں۔

پس جماعت کے نوجوانوں کو میں پھر توجہ دلاتا ہوں کہ وہ آگے آئیں۔ پہلا تجربہ ان کے سامنے موجود ہے اس لئے وہ اپنی ذمہ واریوں کو سمجھتے ہوئے اپنے آپ کو پیش کریں۔ جس وقت فوری ضرورت ہو اُس وقت کا معیار اور ہوتا ہے اور دوسرے وقت کا اور۔ اُس وقت ہم صرف تجربہ کرنا چاہتے تھے کہ کس طرح آواز کو غیر ممالک میں پہنچا سکتے ہیں اور دنیا کو دکھانا چاہتے تھے کہ ہم میں ایسے نوجوان موجود ہیں جو خطرات سے بے پرواہ ہو کر اسلام کی تبلیغ کیلئے باہر نکل جائیں۔ لیکن اب ہم مستقل صورت قائم کرنا چاہتے ہیں اور اس کیلئے یہ ضروری ہے کہ ہمارے پاس مستقل طریق پر کام کرنے والے ہوں۔ اور جو ایسے اخلاص اور جذبۂ اطاعت کے ماتحت اپنے آپ کو پیش کریں کہ جس میں کوئی کیا اور کیوں نہ ہو۔ جو شخص کیا اور کیوں کہتا ہے وہ کبھی سپاہی نہیں بن سکتا۔ سپاہی وہی ہوسکتا ہے جو ان الفاظ کو بھول جائے اور جو شخص اطاعت اور فرمانبرداری کا مفہوم جانتا ہے وہ سوال نہیں کیا کرتا۔ حکم کے مقابلہ میں کیوں اور کیا نہیں پوچھا کرتا۔

پس کامل اطاعت اور فرمانبرداری نہایت ضروری ہے۔ اور یہ صرف خلیفہ سے ہی مخصوص نہیں۔ بعض لوگ اس وہم میں مبتلا ہوتے ہیں کہ بس خلیفہ کی بات ماننا ہی ضروری ہے اور کسی کی ضروری

نہیں۔خلیفہ کی طرف سے مقرر کردہ لوگوں کا حکم بھی اسی طرح ماننا ضروری ہوتا ہے جس طرح خلیفہ کا۔ کیونکہ خلیفہ تو براہِ راست ہر ایک شخص تک اپنی آواز نہیں پہنچا سکتا۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ مَنْ اَطَاعَ اَمِیْرِیْ فَقَدْ اَطَاعَنِیْ وَ مَنْ عَصٰی اَمِیْرِیْ فَقَدْ عَصَانِیْ۔[9] جس نے میرے مقرر کردہ افسر کی اطاعت کی اس نے گویا میری اطاعت کی اور جس نے میرے مقرر کردہ افسر کی نافرمانی کی، اس نے گویا میری نافرمانی کی۔ ایسا خلیفہ کون سا ہوسکتا ہے جو تمام افراد تک براہِ راست اپنی آواز پہنچا سکے۔ ایسا تو نبی بھی نہیں کرسکتا۔ بلکہ خداتعالیٰ گو اِس پر قادر ہے مگر عملاً ہر ایک تک اپنی آواز نہیں پہنچاتا۔اس قسم کی باتیں کرنے والوں کے اندر بھی وہی روح ہوتی ہے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے ظاہر کی تھی اور کہا تھا کہ اگر خدا ہم سے کہے تو ہم مانیں گے۔ خدا تو ایسا کرسکتا ہے مگر کرتا نہیں لیکن خلیفہ تو کر ہی نہیں سکتا۔ پس جب خدا جو کرسکتا ہے وہ ایسا نہیں کرتا اور جو کر ہی نہیں سکتا وہ کس طرح کرے۔خداتعالیٰ کے نہ کرسکنے کا سوال نہیں بلکہ حکمت کا سوال ہے۔مگر خلفاء تو نہ ایسا کرسکتے ہیں اور نہ ہی حکمت ایسا کرنے کی اجازت دیتی ہے۔سوائے اِس کے کہ ملّانوں کی طرح پانچ سات طالب علم لے کر بیٹھ جائے۔ اس لئے ضروری ہے کہ خلیفہ کے ماتحت افسر ہوں جن کی اطاعت اُسی کی طرح کی جائے۔ پس وہی نوجوان اپنے آپ کو پیش کریں جو اس بات پر آمادہ ہوں کہ کامل اطاعت اور فرمانبرداری کا نمونہ دکھائیں گے، عقل سے کام لیں گے، تیسرے محنت کرسکتے ہوں چوتھے اخلاص سے کام کرنے والے ہوں اور پانچویں قابلیت رکھتے ہوں۔ان اوصاف کے ساتھ ہی یہ وقف مفید ہوسکتے ہیں۔ قابلیت اور اطاعت کے بغیر کوئی کام نہیں ہوسکتا۔ اور اگر اخلاص نہ ہو تو بھی انسان ایسے ایسے اعتراض کرتا رہتا ہے کہ بجائے مفید ہونے کے نقصان کا موجب ہوجاتا ہے۔ پھر محنت بھی ضروری ہے۔ جو شخص محنت نہیں کرتا اس کے ہاتھ سے کئی چیزیں چھوٹ جاتی ہیں اور کئی سوراخ ایسے رہ جاتے ہیں جن سے خرابی پیدا ہوجاتی ہے۔ جیسے کوئی شخص کنوئیں کی چادر میں پانی ڈال لے تو اگر تو اس کے چاروں کونوں کو پکڑ کر رکھے تو وہ محفوظ رہے گا لیکن اگر ایک بھی چھوٹ جائے تو پانی گر جائے گا۔ پھر عقل بھی ضروری ہے۔اگر عقل نہ ہو تو علم اور اخلاص بھی کام نہیں دے سکتا۔

بعض احادیث میں آتا ہے کہ رسول کریم ﷺ سے دریافت کیا گیا کہ زاہد بہتر ہے یا عاقل؟ آپ نے فرمایا عاقل کئی گنا زیادہ بہتر ہے۔ کیونکہ زاہد تو صرف اپنی ذات کو ہی فائدہ پہنچاتا ہے مگر عاقل

دوسروں کو بھی۔ بعض لوگوں نے کتابیں تو رٹی ہوئی ہوتی ہیں مگر یہ نہیں جانتے کہ علم کو استعمال کہاں کرنا ہے اور کیسے کرنا ہے۔ قابلیت سے میری مراد دراصل علم ہے جس سے کام اور اس کے کرنے کا طریق معلوم ہوتا ہے اور عقل اس علم کے استعمال کا محل بتاتی ہے اور اخلاص، استقلال اور مداومت سے عقل کو کام پر لگائے رکھتا ہے۔ جب یہ چیزیں جمع ہو جائیں اور پھر ساتھ محنت کی عادت اور اطاعت کا جذبہ ہو تو پھر کامیابی ہی کامیابی ہوتی ہے لیکن ان کے بغیر کام نہیں چل سکتا۔ میں نے دیکھا ہے کہ تحریک جدید کے تمام کاموں سے زیادہ دقتیں تحریک جدید کے بورڈنگ میں پیش آئی ہیں۔ اتفاق سے ہمیں وہاں کام کرنے کیلئے ایسے آدمی ملے جنہوں نے محنت سے کام نہ کیا یا عقل سے نہ کیا اور یہ نہ سمجھا کہ اس کا مقصد کیا ہے اور میں کیا چاہتا ہوں۔ ان کی مثال ''من چہ سرائم وطنبورۂ من چہ مے سرائید'' کی تھی۔ اگر وہ ذمہ واری کا احساس کرتے اور خیال کرتے کہ لوگوں کے کام تو اس زمانہ میں نتائج پیدا کریں گے اور ہمارے آئندہ زمانہ میں جا کر تو یہ حالت نہ ہوتی۔ مگر انہوں نے نہ خود کام کو سمجھا اور نہ ہی طالب علموں کی ذہنیت میں مناسب تبدیلی پیدا کی، حتیٰ کہ ان کو بتایا بھی نہیں گیا کہ اُن کو یہاں کیوں جمع کیا گیا ہے۔ پس محض وقف سے کام نہیں بنتا ایسے وقف سے کام بنتا ہے کہ انسان محنت، مشقت، قربانی اور اطاعت سے کام کرنے کیلئے تیار رہو۔ تحریک جدید کے بورڈنگ کا کام ہی ایک ایسا کام ہے کہ میں سمجھتا ہوں اگر ہم اس میں کامیاب ہو جاتے تو ایک ایسا انقلاب پیدا کر دیتے جس کی قیمت اور عظمت کا اندازہ الفاظ میں نہیں کیا جا سکتا۔ حضرت مسیح موعود علیہ السلام نے فرمایا ہے کہ اگر مجھے چالیس خالص مومن مل جائیں تو میں ساری دنیا کو فتح کر سکتا ہوں۔[۱۰] اور اس قسم کے بورڈنگ میں موقع ہے کہ ایک زمانہ میں ایسے سَو سَو مومن پیدا کر سکیں۔

پس آئندہ جو لوگ اپنے آپ کو وقف کریں وہ یہ سمجھ کر کریں کہ اپنے آپ کو فنا سمجھیں گے اور جس کام پر ان کو لگایا جائے اُس پر محنت، اخلاص اور عقل و علم سے کام کریں گے۔ عقل اور علم کا اندازہ کرنا تو ہمارا کام ہے مگر محنت، اطاعت اور اخلاص سے کام کا ارادہ ان کو کرنا چاہئے اور دوسرے یہ بھی خیال کر لینا چاہئے کہ وقت کے یہ معنے نہیں کہ وہ خواہ کام کیلئے موزوں ثابت ہوں یا نہ ہوں ہم ان کو علیحدہ نہیں کریں گے یا سزا نہیں دیں گے۔ صرف وہی اپنے آپ کو پیش کرے جو سزا کو برداشت کرنے کیلئے تیار ہوں۔ جن قوموں کے افراد میں سزا برداشت کرنے کی طاقت نہیں ہوتی وہ ہمیشہ ہلاک ہی ہوا کرتی

ہیں۔ صحابہ کو دیکھو وہ بعض اوقات ضرورت سے زیادہ سزا برداشت کرتے تھے اور خود بخود کرتے تھے۔ ایک دفعہ ایک صحابی سے کوئی غلطی ہوگئی تو انہوں نے مسجد میں جا کر اپنے آپ کو ستون سے باندھ لیا اور کہا کہ جب تک اللہ تعالیٰ مجھے معاف نہ کر دے میں یہاں سے نہ ہٹوں گا۔ مگر ایسا کرنے کیلئے بھی ہمت کی ضرورت ہوتی ہے۔ کئی وہمی آدمی ہوتے ہیں جو ایسی بات سن کر فوراً اُچھل پڑتے ہیں کہ بہت اچھا گُر مل گیا ہے۔ آئندہ اگر ہم سے کبھی غلطی ہوئی تو ہم بھی اسی طرح کریں گے۔ مگر جو اپنے آپ کو باندھتا اور پھر اِدھر اُدھر دیکھتا ہے کہ کوئی آئے اور مجھے چھڑائے وہ خود بھی دھوکا خوردہ ہے۔ اس کی مثال تو ایسی ہی ہے جیسے کانگرسی قانون شکنی کرتے ہیں اور پھر کہتے ہیں کہ گورنمنٹ ہمیں گرفتار کیوں کرتی ہے۔ اس صحابی نے تو اپنی نیت پوری کر دی مگر رسول کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ جائز نہیں۔[۱۱] لیکن بہرحال سزا کا برداشت کرنا قومی زندگی کیلئے بہت اہم چیز ہے۔ ایک شخص کو رسول کریم ﷺ نے سزا دی کہ یہ ہماری مجلس میں کبھی نہ آئے اور وہ ساری عمر نہ آسکا۔[۱۲] اسی طرح حضرت ابوبکرؓ نے ایک شخص کو یہ سزا دی کہ ہمارے زمانہ میں کبھی مدینہ میں نہ آئے۔[۱۳] چنانچہ وہ نہیں آیا مگر کام اسی قربانی سے کرتا رہا۔ تو سزا کا برداشت کرنا ہر مومن کیلئے ضروری ہے۔ خاص کر وقفِ زندگی کی صورت میں تو بہت ہی ضروری ہے۔ جو شخص یہ خیال کرتا ہے کہ اسے سزا دی ہی نہ جائے خواہ کچھ ہو، وہ گویا چاہتا ہے کہ ہر حال میں اس کا لحاظ کیا جائے اور اس کیلئے دوسروں کو تباہ کر دیا جائے۔ پس وقف کرنے والوں کیلئے ان پانچوں اوصاف کے علاوہ یہ بھی ضروری ہے کہ وہ سزا برداشت کرنے کیلئے تیار رہوں۔ اور بعد میں یہ نہ کہیں کہ اس وقت ہمیں نوکری مل سکتی تھی۔ یونہی ہمارے دو سال ضائع کئے گئے۔

پس وہی آگے آئے جس کی نیت یہ ہو کہ میں پوری کوشش کروں گا۔ لیکن اگر نکمّا ثابت ہوں تو سزا بھی بخوشی برداشت کرلوں گا۔ میں پھر ایک بار دوستوں کو توجہ دلاتا ہوں کہ یہ ثواب کا ایک نہایت اہم موقع ہے۔ انگریزی دان اور عربی دان دونوں قسم کے نوجوان اپنے آپ کو پیش کریں۔ انٹرنس پاس یا اس سے اوپر گریجوایٹ انگریزی دان اور مولوی فاضل یا بعض ایسے جو کہ اگرچہ مولوی فاضل کی ڈگری تو نہ رکھتے ہو مگر عربی میں اچھی استعداد ہو، اپنے آپ کو پیش کر سکتے ہیں۔ انتخاب کرنے کا اختیار تو ہمارا ہے۔ مگر جو اپنے آپ کو پیش کریں وہ محنت اور قربانی کیلئے تیار ہو کر اور اللہ تعالیٰ کی رضا کے سوا اور ہر طرف سے آنکھیں بند کر کے اپنے آپ کو پیش کریں اور اپنے سامنے ایک ہی مقصود رکھیں یعنی

اشاعتِ اسلام۔ اور اس بات کیلئے بھی تیار ہوں کہ اگر کبھی وہ نظام کے لئے موزوں ثابت نہ ہوں تو بے شک ان کو الگ کر دیا جائے خواہ دُنیوی لحاظ سے ان کو کیسا بھی نقصان کیوں نہ پہنچ چکا ہو۔

مجھے امید ہے کہ ہمارے نوجوان ان شرائط کے ماتحت جلد از جلد اپنے نام پیش کریں گے تا اس سکیم پر کام کر سکیں جو میرے مدنظر ہے۔ ہم آدمی تو تھوڑے ہی لیں گے مگر جو چند آدمی سینکڑوں میں سے چنے جائیں گے وہ بہرحال ان سے بہتر ہوں گے جو پانچ سات میں سے چنے جائیں گے۔ پچھلی مرتبہ قریباً دوسَو نوجوانوں نے اپنے آپ کو پیش کیا تھا اور مجھے امید ہے کہ اب اس سے بھی زیادہ کریں گے۔ جنہوں نے پچھلی مرتبہ اپنے آپ کو پیش کیا تھا وہ اب بھی کر سکتے ہیں۔ بلکہ جو کام پر لگے ہوئے ہیں وہ بھی چاہیں تو اپنے نام پیش کر سکتے ہیں کیونکہ ان کی تین سال کی مدت ختم ہوگئی ہے۔ بعض ان میں سے ایسے ہیں جو سمجھتے ہیں کہ تین سال تو ہم جانتے نہیں جب ایک دفعہ اپنے آپ کو پیش کر دیا تو پھر پیچھے کیا ہٹنا ہے۔ ان کو بھی قانون کے ماتحت پھر اپنے نام پیش کرنے چاہئیں کیونکہ پہلے ہمارا مطالبہ صرف تین سال کیلئے تھا۔ اور جو بھی اپنے آپ کو پیش کریں پختہ عزم کے اور ارادہ کے ساتھ کریں۔ کیونکہ ڈھلمل آدمی اپنے لئے بھی اور دوسروں کیلئے بھی مصیبت کا موجب ہوتا ہے۔

میں اللہ تعالیٰ سے دعا کرتا ہوں کہ وہ ہم میں سے ہر ایک بچے بوڑھے، جوان، مرد، عورت، چھوٹے بڑے کو توفیق عطا فرمائے کہ وہ عزمِ صمیم کے ساتھ اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے کھڑا ہو جائے جس کا مطالبہ ہم سے حضرت مسیح موعود علیہ الصلوٰۃ والسلام کے ذریعہ کیا گیا ہے اور وہ ہمارے کاموں میں برکت دے تا ہم اس میں کامیاب ہو سکیں۔ اَللّٰھُمَّ اٰمِیْنَ

(الفضل ۲۲؍دسمبر ۱۹۳۷ء)

---

۱ الانفال: ۶

۲ سیرت ابن هشام جلد۳ صفحہ ۸۹ مطبوعہ مصر ۱۹۳۶ء

۳ متی باب ۵ آیت ۳۹ برٹش اینڈ فارن بائبل سوسائٹی لاہور ۱۹۲۲ء

۴ بخاری کتاب الصوم باب اجود ماکان النبی صلی اللّٰہ علیہ وسلم (الخ)

۵ بنی اسرائیل: ۲۷

۶ مسلم کتاب الاشربة باب مایفعل الضیف اذا تبعهٗ (الخ)

۷ بخاری کتاب المناقب باب مناقب قریش

۸ بخاری کتاب الجنائز باب فضل اتباع الجنائز

۹ بخاری کتاب الاحکام باب قول اللّٰہ تعالٰی اطیعوا اللّٰہ و اطیعوا الرسول ......الخ

۱۰ ملفوظات جلد سوم صفحہ ۳۴۲۔ جدید ایڈیشن

۱۱

۱۲

۱۳